شناخت بنیاد کی تحریک اور نو آبادیت مخالف جدوجہد

بہار میں شیعہ عزاداری جلوس

ڈاکٹر محمد سجاد☆

نوآبادیاتی تسلط کے خلاف تحریک نے، کچھ ٹھوس انداز میں انیسویں صدی کے آخر میں کسی قدر تنظیمی شکل اختیار کرنی شروع کی۔ اس نوآبادیاتی تسلط نے کچھ ایسے ادارے اور عمل پیدا کرنے شروع کردیے تھے جن کے سلسلے میں کسی نہ کسی شکل میں اظہار رائے یا اختلاف کے مواقع پیدا ہورہے تھے۔ ان اداریاتی مواقع سے متوسط اور اعلیٰ متوسط طبقہ فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری تھا کہ کچھ تحریکوں کے ذریعے سے (جن میں نوآبادیاتی حکومت سے گفت وشنید بھی شامل تھی) کچھ زور یا دباؤ پیدا کیا جائے۔ ان مسابقانہ تحریکوں کو آگے بڑھانے کے لیے کبھی کبھی مذہبی، ثقافتی علامات اور شبیہوں وغیرہ کا بھی سہارا لینا پڑتا تھا۔ کیونکہ جدید مغربی قوموں کے برخلاف ہندوستان جیسے معاشرے میں عوامی دائرۂ کار میں غیر مذہبیت (سیکولرزم) نہ آنی تھی (نہ آئی ہے)۔ عوام کے مزاج میں کیونکہ مذہب بہرصورت مؤثر طور پر موجود تھا (اور ہے) اس لیے عوامی مقبولیت اور تعاون حاصل کرنے کے لیے اور طریقوں کے ساتھ ساتھ، اسے بھی شامل کرلیا گیا۔

نوآبادیاتی جدیدیت کے ماحول میں کچھ شناختیں اپنے لیے متواتر خطرہ سا لاحق ہوتا محسوس کررہی تھیں۔ اس دور کی مختلف سماجی مذہبی اصلاحات کی کوششوں میں بھی مذہبی تخصیص کا رنگ جھلکنے لگا تھا۔ چنانچہ ہندوشناخت کو بہت سی اور تحریکوں کے ساتھ آریہ سماج اور اس کے شدھی سنگٹھن جیسی تحریکوں کے ذریعے محفوظ رکھنے اور مزید تقویت دینے کی کوشش جاری تھی۔ (جس کے اپنے کچھ اثرات تھے جو بیسویں صدی کی سیاست اور سماج پر پڑ رہے تھے، گئو رکشا، سوسائٹیاں، ناگری پرچارنی سبھا اور ہندی ساہتیہ سمیلن، وغیرہ عمومی کلچرل اور مذہبی تصور کے ذریعے ہندو سماج کو ایک

☆ شعبۂ تاریخ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

یکسانیت کا روپ دینے کی مہم چلا رہے تھے)۔[1] ظاہر ہے کہ اس قسم کے خطرے کا احساس شیعہ فرقے میں اور بھی زیادہ شدید ہوگا جو مذہبی روایت کا ایک اور چھوٹا فرقہ ہے۔ اس صورت میں مذہبی اور اس کے ساتھ فرقہ وارانہ احساس بہت تیزی سے بڑھا۔

اسلامی مقدس مہینے محرم میں عزاداری کے جلوس حسین اور کربلا کی علامتوں کے ساتھ کسی سیاسی تحریک کے لئے جذبات ابھارنے (ایک مرکز پر جمع کرنے) میں بے حد اہمیت کے حامل تھے (اور ہیں) مشیر الحسن کے الفاظ میں اس سے شیعوں کو اپنی ایک علاحدہ شناخت بنائے رکھنے اور اپنی عددی کمتری کو ایک مستحکم انداز اور وقتاً فوقتاً دباؤ اور گھٹاؤ پیدا کرنے والی اکثریت کے خلاف جم کر کھڑے رہنے کا سبق ملتا رہا۔[2] اس روایت پر کسی قسم کی پابندی کی مخالفت خصوصاً شیعہ فرقہ کی طرف سے ہونا، لازمی امر تھا۔

اس قسم کی تحریکوں کے نتیجے میں کبھی فرقہ وارانہ یا مسلکی جھگڑے بھی کھڑے ہوئے، جیسے لکھنؤ کے سنی شیعہ فسادات، جو ۱۸۸۰، ۱۸۹۰ اور ۰۸-۱۹۰۶ میں الہ آباد، بنارس، جونپور وغیرہ تک پھیلے۔[3] یہ قضیہ سنیوں کی طرف سے 'مدح صحابہ' اور شیعوں کی طرف سے تبرے، کے سلسلے میں پیدا ہوتا تھا۔ اس کے مقابلے میں بہار میں ۱۸۹۰ء کے دہے میں جب حکومتِ برطانیہ نے عزاداری اور علم کے جلوس پر پابندی لگائی تھی، تو ہمیں اس حکم کے خلاف سنی، شیعہ بلکہ ہندو مسلمان بھی متحد و متفق دکھائی دیتے ہیں۔

۱۸۸۲ میں بہار میں گیا کے ڈپٹی مجسٹریٹ نے نقص امنِ عامہ کے خدشے کے سادے سے بہانے پر جلوس کی اجازت نہیں دی۔ ۱۸۹۲ء کے بعد سے متواتر ایک آئینی انداز کا احتجاج شروع کیا گیا چونکہ اسے مذہبی آزادی میں مداخلت مانا گیا۔ اس سلسلے میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس طویل

۱- گیانندر پانڈے، کنسٹرکشن آف کیونزم ان کولونیل انڈیا، او-یو-پی (۱۹۹۴) کمپیریٹیو اسٹڈیز ان سوسائٹی اینڈ ہسٹری (سی ایس ایس ایچ) ج ۲۴ نمبر ۴ نیز دیکھیے، اکتوبر ۱۹۸۰، صفحات ۵۷۶ تا ۵۹۶ میں آنند یانگ کا مضمون سیکریڈ سمبل اینڈ سیکریڈ اسپیس ان رورل انڈیا: کیونٹی موبلائزیشن ان وی، اینٹی کاؤ کلنگ رائیٹ آف ۱۹۸۳، نیز کرسٹوفر آر کنگ :ون لینگویج۔ ٹو اسکرپٹس، دی ہندی موومینٹ ان نائنتھ سنچری ان انڈیا، او-یو-پی۔ بمبئی (۱۹۹۴) نیز فرانسسکا اورسنی (Francesca Orsini) دی ہندی پبلک اسفیر لینگویج اینڈ لٹریچر ان دی ایج آف نیشنلزم ۴۰-۱۹۲۰ ء او-یو پی۔ دہلی ۲۰۰۲ نیز کینیتھ ڈبلیو جونس (Kenth W Jones) آریہ دھرم، ہندو کانشیس نیس ان نائنٹینتھ سنچری ان پنجاب، کیلی فورنیا ۱۹۷۶

۲- مشیر الحسن، ٹریڈیشنل رائٹس اینڈ کنٹسٹیڈ میننگس، سیکلیئر یعن اسٹرالف ان کولونیل لکھنؤ، ان وائلیٹ .....) لکھنؤ میموارئرس آف اے سٹی۔ او-یو پی۔ دہلی ۱۹۹۷

۳- ایضاً۔ نیز ملاحظہ ہو شان محمد: خاکسار موومینٹ ان انڈیا۔ میناکشی پرکاشن، میرٹھ، ۱۹۷۳، چیپٹر ۴

عرصے تک چلنے والے احتجاج میں آئینی طرزِ عمل اختیار کیا گیا تھا۔ سب سے پہلے ۱۸۹۲ء کے شروع حصے میں پٹنہ کے کمشنر کو ایک درخواست دی گئی۔ عرضی گزار ٹیکری (گیا) کے ایک زمیندار مرزا جلال الدین بخت بہادر تھے۔ عرضی پر پچھلے عدالتی اور انتظامیہ کے احکامات کی نظیر اور اس جلوس کے تاریخی جواز پر زور دیتے ہوئے مختلف فرقوں کے افراد کے دستخط تھے۔ کمشنر نے سال بھر بعد یعنی ۱۸۹۳ء میں اس معاملے پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔ اپریل ۱۸۹۳ء میں خیرات احمد، سکریٹری انجمن اسلامیہ گیا، سنی شیعہ دونوں فرقوں پر مشتمل ایک وفد کے ساتھ کمشنر سے ملنے گئے۔ کمشنر نے ملاقات کا شرف نہیں بخشا، مگر یہ وعدہ ضرور کیا کہ اگلے سال اس کی اجازت دے دی جائے گی۔ ۱۸۹۴ء تک حکومت بنگال نے ایک حکم (خط نمبر ۷۸۸، مورخہ ۶۷ فروری ۱۸۹۴) جلوس کی ممانعت کا جاری کر دیا۔ اس سے بہار کا شیعہ فرقہ اور چونکا۔ پورے بہار، پٹنہ مظفر پور، چھپرا، آرا وغیرہ میں احتجاجی جلسے ہوئے۔ پٹنہ کے نواب ولایت علی خاں نے ۲۲ فروری ۱۸۹۴ء کو ایک جلسہ کیا جس میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔ اس جلسے میں اس سرکاری حکم کے خلاف سخت قسم کی کچھ قراردادیں پاس ہوئیں اور اس کے بعد مختلف شہروں میں احتجاجی جلسوں کا سلسلہ چلا۔ ان تمام جلسوں میں سخت الفاظ میں قراردادیں منظور ہوئیں۔ پریس نے اپنی ہشیاری اور خبرداری کا ثبوت دیتے ہوئے اسے غیرضروری اور زبردستی کی پابندی بتایا۔[1] بہار ٹائمز، نے اپنے اداریہ میں اظہارِ خیال کیا کہ یہ ایک ''احمقانہ اور بے سوچے سمجھے دیا گیا حکم'' ہے۔ کلکتے کے دی انگلش مین نے اسے افسوس ناک کہا۔ بہار سپرنٹنڈنٹ نے فیصلے کو شدید غلطی سے تعبیر کیا اور نو آبادیاتی سرکار سے اسے منسوخ کرنے کی مانگ کی۔[2] حکومت بنگال سے نا امید ہو کر سنّی اور ہندوؤں کی پوری پوری حمایت کے ساتھ بہار کے شیعوں نے ۳۰ ستمبر ۱۸۹۴ء کو حکومت ہند کے سامنے میمورنڈم پیش کیا۔ اس عرضداشت میں انھوں نے اظہار کیا تھا کہ حکومت بنگال کے اس حکم سے 'ملکۂ معظمہ کے ۱۸۸۵ میں جاری کردہ، مذہبی رواداری کی پالیسی کے اعلان کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ پھر جب حکومتِ ہند نے بنگال سرکار کے مقامی انتظامات میں مداخلت سے دوبارہ انکار کر دیا تو انھوں نے اس معاملے کو امپیریل لیجسلیٹیو کونسل میں اٹھانے کا بندوبست کیا۔ مرزا جلال الدین بخت بہادر کی بیوہ جہاں آرا بیگم نے لیجسلیٹیو کونسل میں یہ سوال اٹھایا۔

۱- قیوم الدین احمد، این ارلی کیس آف کانسٹیٹیوشنل اگیٹیشن ان بہار ۹۷ (۱۸۹۲) انڈیان ہسٹاریکل ریکارڈس کمیشن جلد ۳۲ نمبر ۲ فروری ۱۹۵۶ میں صفحات ۷۱ تا ۷۷ ۲- 'بہار پیٹریٹ' جون ۴ (۱۸۹۴)

اس سے حکومت ہند پر کچھ دباؤ، پڑا اور بہار کے شیعوں کو حکومتِ بنگال کی طرف سے اجازت مل جانے کی توقعات بندھیں۔ اس امید پر شیعوں نے چوتھی بار ۱۸۹۶ء میں حکومت سے اپیل کی۔ حکومت کو اب بھی یہ تذبذب تھا کہ کیا عام امن وسکون کے لیے کسی قسم کا خطرہ پیدا کیے بغیر جلوس نکالنے کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ شیعوں کی ثابت قدمی میں اب بھی کوئی کمی نہیں نظر آرہی تھی۔ انہوں نے اپنے احتجاجوں کا سلسلہ بند نہیں کیا تھا۔ مارچ ۱۸۹۷ء میں انہوں نے پھر حکومت بنگال کے سامنے اپنی مانگیں رکھیں۔ اس بار انہیں علَم کا جلوس نکالنے کی اجازت حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی۔ اس پورے قضیے میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہار کے شیعوں نے متعدد آئینی طریقے اپنے احتجاج کو آگے بڑھانے میں استعمال کیے۔ یعنی جگہ جگہ عوامی جلسے، یادداشتیں، پٹیشن، نظیریں پیش کرنا، عدالتی فیصلے دکھانا، لیجسلیٹیو اداروں اور پریس کا استعمال۔ قیوم احمد نے بجا کہا ہے کہ انہوں نے آئینی طرزِ عمل سے کبھی تجاوز نہیں کیا، اور اس وقت تک کہ انہیں مذہبی آزادی کا حق واپس نہیں مل گیا انہوں نے صبر وسکون اور تکلیف دہ ثابت قدمی کا دامن نہیں چھوڑا۔ یہ وہی طرزِ عمل تھا جس کا شروع شروع میں کانگریس نے مظاہرہ کیا تھا جب کانگریس اپنے اعتدال پسندانہ دور میں تھی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ شیعوں کا یہ احتجاج ملک کی نوآبادیاتی حکومت کی زیادتیوں اور دباؤ کے خلاف (بعد میں ابھرنے والے) احتجاج کی تیاری میں کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں تھا۔

بیسویں صدی کی ابتداء ہی میں شیعوں نے اپنی ایک علاحدہ سیاسی تنظیم شیعہ کانفرنس (لکھنؤ ۱۹۰۷) تشکیل دے لی تھی، جو بعد میں شیعہ پولیٹکل کانفرنس، کے نام سے جانی گئی۔ پہلی کانفرنس میں تو سنیوں کے خلاف بے باک اور شعلہ بار قسم کی تقریریں ہوئیں لیکن ۱۹۳۰ کے دہے میں یہ بھی لکھنؤ کے سید وزیر حسن (۱۸۷۴ تا ۱۹۴۷) کی رہنمائی میں کانگریس کے قومی منصوبے کی طرف مائل ہوگئی۔

شیعہ کانفرنس کی بہار اکائی میں شیعہ رہنماؤں کا ایک اہم گروپ موجود تھا۔ سر سلطان احمد، سید حسن عسکری، مظفر حسین، یحییٰ ناظم (ایڈووکیٹ) علی مظفر، عبدالعزیز انصاری وغیرہ۔ اپریل ۱۹۴۰ میں شیعہ کانفرنس کے لکھنؤ اجلاس میں سر سلطان نے جناح کے دو قومی نظریے، کو سختی سے رد کیا۔ ۱۸ اپریل ۱۹۴۰ کو شیعہ کانفرنس کی بہار اکائی کا جلسہ چھپرا میں ڈاکٹر شبیر حسن کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس جلسے میں مسلم لیگ کی ملک کو دو حصوں میں بانٹ دینے کی قرارداد پر بہت سخت تنقید کی گئی۔[۲] اس

۱۔ 'دی سرچ لائٹ' ۲۱ اپریل ۱۹۴۰

جلسے کی جگہ کا انتخاب بھی سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا۔ یہ اس لیے تھا کہ صرف چار دن پہلے ۱۴ اپریل کو بہار صوبائی مسلم لیگ نے چھپرا میں اجلاس کیا تھا اور یہاں سے وہ لیگ کے لاہور کے اجلاس کی قرارداد کے لیے عوامی حمایت حاصل کرنے کے لیے تحریک شروع کرنا چاہتے تھے اور یہاں کی ضلع مسلم لیگ کی اکائی بھی چھپرا میں ہی ایک جلسے کا منصوبہ بنا رہی تھی۔ شیعہ پولیٹیکل کانفرنس نے چھپرا کا انتخاب لیگ کی لاہور قرارداد کی مخالف میں تحریک کی ابتدا کرنے کے لیے کیا تھا۔[1]

اکتوبر ۱۹۴۴ میں شیعہ پولیٹیکل کانفرنس کے صدر سید علی ظہیر نے جناح کو ایک خط لکھا تھا جس میں ہندوستان کی مکمل آزادی کی پُرزور وکالت کی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ شیعہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ملک کی آزادی کے بعد اگر مسلمان ایسا چاہیں گے تو پاکستان کی تشکیل بھی خود بخود ہو جائے گی۔[2] انہوں نے جناح کو یہ بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کو پاکستان کی تشکیل کی کوشش کے ساتھ ساتھ پورے ملک کی آزادی کے لیے بھی جدوجہد کرنی چاہیے اور ملک کی دوسری سیاسی پارٹیوں سے اختلافات کو طے کر لینا چاہیے تا کہ ملک کی آزادی کی تحریک میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ پاکستان کی تشکیل پر اتنا اصرار ملک کی آزادی اور پاکستان کی تشکیل دونوں مقاصد کو کافی حد تک نقصان پہنچا سکتا ہے۔

اس طرح ہم دیکھ سکتے ہیں کہ نو آبادیاتی بہار کے شیعوں نے اپنے مذہبی آزادی کے سلب کیے جانے کے خلاف ایک آئینی طرز کا احتجاج شروع کیا اور اس کے بعد سے ایک ایسا میدان اور قوت پیدا کر لی، جسے اُس تحریک کے ابھارنے میں کام میں لایا گیا جو نہ صرف ملک کی نو آبادیاتی حکومت سے آزاد ہونے کے لیے کی گئی تھی بلکہ لیگ کے علاحدگی پسندانہ رویہ کے بھی خلاف تھی۔ شناخت مستحکم کرنے کے لیے ابھاری جاتے والی تحریکوں کو صرف تنگ نظرانہ یا علاحدگی پسندانہ ہی نہیں سمجھنا چاہیے۔

۱۔ محمد سجاد۔ بہار مسلمس۔ ریسپونس ٹو دی ٹونیشن تھیوری ۴۷۔۱۹۴۰، غیر مطبوعہ پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (۲۰۰۳) ص ۲۰۸

۲۔ انڈین اینول رجسٹر، جولائی دسمبر ۱۹۴۴، این۔ ایم۔ ایم۔ ایل۔ دہلی